ڈاکٹر عبدالرشید رحمت
اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات

امام غزالی اور مطالعہ عیسائیت

امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی م٥٠٥ھ/١١١١ء کی شخصیت تاریخ اسلام میں منفرد مقام کی حامل ہے ۔ آپ بیک وقت عالم ، عابد ، فلسفی اور صوفی تھے ۔ بقول علامہ شبلی نعمانی :

> " یہ عجیب اتفاق ہے کہ امام صاحب کی تصانیف کے ساتھ جو اعتناء یورپ نے کیا ہے خود مسلمانوں نے نہیں کیا ۔"[1]

آپ اپنے تجدیدی کارناموں کی وجہ سے علماء امت کے ہاں بہت عزت اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں ۔ ان کی عہد آفریں تصانیف اور مباحث نے علمی حلقوں میں ایک ذہنی تموج اور فکری حدت پیدا کر دی ۔ اسلام کی جو چند شخصیتیں صدیوں تک عالمِ اسلام کے دل و دماغ پر اور اس کے علمی و فکری حلقوں پر حاوی رہی ہیں ان میں سے ایک امام غزالی کی شخصیت ہے جن کی اثر آفرینی ، علمی پایہ ، ان کی تصنیفات کی اہمیت اور تاثیر مخالف اور موافق سب کو تسلیم ہے[2] ۔

یورپ و امریکہ کے بعض مستشرقین نے آپ کی شخصیت اور کتابوں کے مطالعہ کے بعد مغربی قارئین کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ امام غزالی کے خیال میں موجودہ یہودی و عیسائی لٹریچر قابلِ اعتراض نہیں ۔ دوسرے لفظوں میں یہود و نصاریٰ کی مذہبی کتابیں تحریف یا تبدیل شدہ نہیں ہیں ۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی کوشش S. M. Zwemer ایڈیٹر (The Muslim World) نے کی جنھوں نے

اپنے ایک انگریزی[۳] مقالہ میں جس کا بعد میں عربی[۴] زبان میں ترجمہ کروا کے مصر سے شائع کیا گیا اس عنوان پر بالتفصیل روشنی ڈالی ۔

ان کے خیال میں چونکہ امام غزالیؒ نے اپنی مشہور زمانہ دو اہم کتابوں یعنی احیاء علوم الدین (عربی) اور کیمیائے سعادت (فارسی) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال و تعلیمات ، اناجیل کے حوالہ سے بالاستیعاب نقل کئے ہیں اور کسی جگہ یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ یہ کتابیں اپنی اصلی حالت کھو چکی ہیں ۔ لہٰذا عیسائیت کو محرف اور بگڑا ہوا دین نہیں سمجھنا چاہیے جس طرح کہ اکثر علماء اسلام نے اس لٹریچر کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے ۔ اس کی تفصیل مقالہ ھٰذا میں پیش کی جا رہی ہے ۔

زویمر ہی نے ایک دوسرے مقالہ میں امام غزالیؒ کے بارے میں لکھا :

"He believed, as we all do, that al-Ghazali may be used as a school-master to lead Muslims to Christ."[5]

اپنے اس مقالہ کے اختتام پر یہ لکھا :

"Then surely this great champion of the Muslims faith would have become as apostle of Christianity in his own day and generation."[6]

عہدِ حاضر کے مشہور مستشرق پروفیسر W. Montgomery Watt (ایڈنبرا) بھی امام غزالیؒ کی شخصیت سے متاثر نظر آتے ہیں ۔ آپ نے امام صاحب کے بارہ میں دو[۷] مستقل کتابیں لکھی ہیں ۔ کمیونزم کے بارہ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے واٹ لکھتے ہیں :

" البتہ اس سلسلہ میں مسلمانوں کے لئے الغزالی ایک اچھے رہنما ثابت ہو سکتے ہیں ۔ انہیں اس چیلنج کا پورا شعور تھا جو یونانی فلسفہ اسلام کو پیش کر رہا تھا ۔ اس چیلنج کا جواب دینے کے لئے انہوں نے یونانی فلسفہ کا بغور مطالعہ کیا ۔ انہیں علمی مسائل کا بھی گہرا شعور تھا اور وہ

جانتے تھے کہ ان مسائل کو سوچ بچار سے حل نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس فکر کو عملی زندگی کا جزو بنانا ہوگا۔"[۸]

آج سے تقریباً سات سال قبل امریکہ کے سکول آف چرچ مشن میں ایک فاضل پادری نے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالہ کے لئے امام غزالیؒ کی 'المنقذمن الضلال' کے تفصیلی مطالعہ و تجزیہ کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ امام غزالیؒ نے سچائی کی روح محض اپنی ذہانت کے بل بوتے پر دریافت نہیں کی تھی بلکہ اپنے تجربات کی روشنی میں حقیقت اصلی کو پہچانا۔ آخر میں عیسائی پادریوں کو مشورہ دیتے ہوئے کہا:

> "It is my contention that a deeper understanding of al-Ghazali's spiritual quest will enable Christians to be more effective in fulfilling their missionary obligations to Muslims."[9]

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ وہ امام غزالیؒ جن کے بارہ میں اکثر مستشرقین یہ نظریہ پیش کرتے رہے کہ وہ عام مسلم مفکرین کے برعکس عیسائیت کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ بیسویں صدی کے آغاز میں مشہور فرنچ مستشرق Louis Massignon نے مکتبہ ایاصوفیہ (ترکی) میں دو قلمی نسخے دریافت کئے جن کا تعلق امام غزالیؒ سے تھا۔ بعد میں پیرس کے مشہور علمی مجلہ میں اس کا مکمل تعارف شائع کیا۔ کچھ ہی عرصہ بعد پادری (Robert Chidiac) نے اپنی آستاد لوئی ماسینیون کی ہدایت پر عربی متن کو ایڈٹ کیا۔ یہ رسالہ جس کا نام "الرد الجمیل لالوھیة عیسی بصریح الانجیل" ہے۔ درحقیقت نظریہٴ الوہیت مسیح کا انجیل کے حوالہ جات سے ایک خوبصورت علمی رد ہے۔ بعد میں پادری روبیر شدیاق کو جامعہ لیڈن کی فہرست میں ایک گمنام مصنف کا مخطوطہ ملا جو الرد الجمیل کا دوسرا قلمی نسخہ تھا۔ پادری شدیاق نے دونوں قلمی نسخوں سے استفادہ کر کے عربی متن کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا اور ایک جامع و معلوماتی مقدمہ بھی تحریر کیا۔ تحقیق کے سلسلہ میں مختلف مراجع کا استعمال کیا۔ اس طرح یہ کتاب پہلی مرتبہ پیرس سے ۱۹۲۹ء میں شائع ہوئی۔ حالیہ برسوں میں (۱۹۷۴ء) استاد عبدالعزیز عبدالحق حلمی مصری

نے روبیر شدیاق کے فرانسیسی مقدمہ اور حواشی کو عربی میں ترجمہ کر کے مزید اضافوں کے ساتھ قاہرہ سے شائع کیا ہے ۔

چونکہ یہ رسالہ طویل عرصہ تک مخطوطہ کی شکل میں مختلف کتب خانوں کی زینت بنا رہا اور اکثر تذکرہ نگاروں نے امام غزالیؒ کے حالات زندگی میں اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا اس لئے کچھ مستشرقین اسے امام غزالیؒ کی تصنیف نہیں مانتے اس سلسلہ میں پادری بوریج سر فہرست ہیں جو اسے امام غزالیؒ کی تصنیف تسلیم نہیں کرتے ۔ البتہ لوئی ماسینیون اور پادری شدیاق اس امر پر متفق ہیں کہ یہ رسالہ امام غزالیؒ ہی کی تصنیف ہے ۔ ان کے خیال میں امام غزالیؒ نے اسے اسکندریہ میں قیام کے دوران تصنیف کیا تھا ۔

حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں امام غزالیؒ کی طرف جو رسالہ منسوب کیا ہے اس کا عنوان اس سے ذرا مختلف ہے جو کچھ اس طرح ہے ''الرد الجمیل علی من غیر التورات و الانجیل'' حاجی خلیفہ نے لکھا ہے :

''ذکرہ البقاعی فی الاقوال القدیمۃ''[۱۰]

پادری شدیاق کے خیال میں یہ کہنا مشکل ہے کہ ''الرد الجمیل'' جو آج ہمارے ہاں موجود ہے یہ بعینہ وہی رسالہ ہے جس کا تذکرہ حاجی خلیفہ نے کیا ہے ۔ اس کے علاوہ عبدالقادر العید روسی م ۱۰۳۸ھ نے اپنی کتاب ''تعریف الاحیاء بفضائل الاحیاء'' میں اس رسالہ کا نام ''الرد الجمیل فی الرد علی من غیر الانجیل'' دیا ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ امام صاحب کا کوئی دوسرا رسالہ ہوگا ۔

الرد الجمیل کے مضامین کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے بعد پادری شدیاق لکھتا ہے :

''کہ اس رسالہ میں وہ الفاظ و عبارات بہت کم نظر آتے ہیں جو امام غزالیؒ کی تصانیف میں بتکرار ملتے ہیں ۔ اس کے ساتھ ساتھ اس رسالہ کے مسائل و اسلوب بیان میں کچھ ابہام و اغماض نظر آتا ہے جب کہ

اس کے برعکس امام صاحب کی اکثر کتابوں میں سلاستِ زبان اور روانی ہوتی ہے۔"[11]

پادری شدیاق نے اس شبہ کا ازالہ اس طرح کیا کہ ہو سکتا ہے کہ امام غزالی نے اس رسالہ کا مواد اپنے طلباء کو املا کرایا ہو لیکن اسے خود مرتب نہ کیا ہو اس لئے قاری کو اس کے اسلوب و سٹائل میں فرق دکھائی دیتا ہے۔ اپنے اس خیال کی تائید میں پادری شدیاق نے یہ بھی لکھا ہے:

"امام غزالیؒ نے یہ رسالہ مصر (اسکندریہ) میں بیٹھ کر لکھا کیونکہ اسکندریہ ان دنوں (پانچویں صدی ہجری) میں علمی جولانیوں کی آماجگاہ تھا اور وہاں مسیحی علماء اور ان کی مشنری سرگرمیاں زوروں پر تھیں۔ اس کے علاوہ اس رسالہ میں قبطی عبارات بھی ملتی ہیں جو عربی زبان میں لکھی گئی ہیں۔ یہ سب اس امر کی تائید کرتی ہیں کہ یہ رسالہ مصر ہی میں مرتب ہوا۔"[12]

البتہ پادری شدیاق نے امام غزالیؒ کو موردِ الزام ٹھہرایا ہے کہ وہ عیسائی عقائد کی گہرائیوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکے خصوصاً الوہیت مسیح کے سلسلہ میں ان کی (approach) بالکل سرسری ہے۔ ان کے خیال میں عیسائیوں کے یہ عقائد آسان و عام فہم بھی نہیں کیونکہ خود عیسائی حضرات انہیں بآسانی نہیں سمجھ سکتے تو مسلمانوں سے اس کی کس طرح توقع کی جا سکتی ہے۔

یہاں یہ امر ملحوظِ خاطر رہے کہ امام غزالیؒ کے مشہور استاد عبدالملک بن عبداللہ الجوینی م ۴۷۸ھ/۱۰۸۵ء جو امام الحرمین سے نام سے یاد کیے جاتے ہیں نے بھی عیسائیت کے رد میں ایک مختصر رسالہ تحریر کیا جس کا نام "شفاء الغلیل فی بیان ما وقع فی التوراۃ و الانجیل من التبدیل"[13] ہے۔ یہ صرف تئیس صفحات پر مشتمل چھوٹے سائز میں ہے۔

ہمارے خیال میں استاد اور شاگرد کے رسالے ایک ہی جلد میں تحریر کیے گئے

تھے اس لیے تذکرہ نگاروں نے ان کے ناموں کو خلط ملط کر دیا ہے ۔

اب ہم ایس ۔ ایم زویمر کے اس مقالہ کا خلاصہ اور جائزہ پیش کرتے ہیں جہاں انہوں نے بڑے معصومانہ انداز میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ امام غزالیؒ کے ہاں بائبل کوئی محرف کتاب نہیں ہے ۔ چنانچہ انہوں نے آغازِ مقالہ میں بطور تمہید لکھا :

”امام غزالیؒ نے اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہا اور کتاب مقدس (بائبل) کے بارہ میں محض سنی سنائی باتوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ پہلے اس کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا اور بعد میں اس کا بیشتر حصہ اپنی کتابوں میں نقل کیا اور خوبصورت الفاظ میں اسے خراج تحسین پیش کیا اور ان اقتباسات کو قرآن و حدیث کے پہلو بہ پہلو مقام دیا ۔“[۱۴]

فاضل مقالہ نگار نے قارئین کو مشورہ دیا کہ اگر وہ بائبل کا مطالعہ اس عظیم فلسفی کی طرح کریں تو انہیں اس امر کا احساس ہوگا کہ وہ اس قیمتی خزانہ سے کس قدر محروم ہو رہے تھے ۔ کیا ان کے لئے امام غزالیؒ کا نمونہ کافی نہیں ـــــ اس کے علاوہ انہوں نے اس پر بھی اصرار کیا کہ امام غزالیؒ کی تصانیف (جو تقریباً ایک سو کے لگ بھگ ہیں) میں ایک فقرہ بھی ایسا نہیں ملے گا جو بائبل کے متن (Text) پر کوئی تنقید کرے یا اسے محرف یا تبدیل شدہ قرار دے ۔ بلکہ امام غزالیؒ اپنی کتابوں میں یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ میں نے انجیل میں یہ دیکھا ۔“[۱۵]

مقالہ نگار کے خیال میں بعض متاخرین سیاسی وساوس کے پیشِ نظر گھٹیا اور معمولی باتوں میں اُلجھ گئے اور اللہ تعالیٰ کے کلام سے دور ہوتے چلے گئے ـــــ اس کے ساتھ ساتھ امام غزالیؒ نے اپنے رسول کے ذکر کے ساتھ ساتھ دوسرے انبیاء کرام سے بھی اغماض نہیں برتا جس طرح ان کے اکثر معاصرین ایسا کرتے رہے انہوں نے حضرت موسیٰ ، حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور ان کے

حواریوں کی کتابوں کا مطالعہ کر کے ان کے اقتباسات اپنی کتابوں میں نقل کئے اور اس طرح اس چشمۂ ہدایت سے فیض یاب ہوتے رہے[۱٦]۔

مقالہ نگار نے ان نکات سے یہ نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی کہ امام غزالیؒ نے جس فراخدلانہ انداز سے احیاء علوم الدین میں اناجیل سے حوالہ جات نقل کئے ہیں اور انہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان ہاں اناجیل مستند ہیں۔ امام غزالیؒ نے اس بحث و تمحیص کے دوران کہیں یہ نہیں کہا کہ عیسائیوں نے اپنی الہامی کتابوں میں قطع و بُرید کی یا وہ تحریف لفظی یا معنوی کے مرتکب ہوئے ہیں[۱۷]۔

زویمر نے بحث کا آغاز کرتے ہوئے لکھا:

> ”اس میں کوئی شک نہیں کہ امام غزالی ایک غیور مسلمان تھے اور انہوں نے صحیح معنی میں قرآن مجید کا مطالعہ کر رکھا تھا۔ وہ اس وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اعلیٰ مقام سے بھی بخوبی واقف تھے جس کا ذکر سورہ آل عمران، مائدہ اور مریم میں بالتفصیل کیا گیا ہے۔ اُمتِ مسلمہ بھی انہیں ایک عظیم المرتبت نبی سمجھتی ہے۔ یہ امر ہمیں عیسیٰ علیہ السلام اور محمد علیہ السلام کی سیرتوں کے تقابلی مطالعہ کی دعوت دیتا ہے۔ کیا یہ مسئلہ امام غزالی کے پیشِ نظر نہ رہا ہوگا؟ کیا انہوں نے حضرت مسیح اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیات میں تقابل کیا ہوگا؟ اس کا جواب ہمیں ان اشارات و حوالہ جات سے مل سکتا ہے جو امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں خصوصاً اور دوسری کتابوں میں عموماً درج کئے ہیں۔ امام غزالیؒ نے بے شمار ایسے واقعات و اقوال نقل کئے ہیں جو اناجیل کی عبارات سے ملتے جلتے ہیں اور کچھ حوالہ جات اپوکریفہ لٹریچر[۱۸] سے بھی نقل کئے گئے ہیں[۱۹]۔

امام غزالیؒ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں کچھ ایسے حصے بھی نقل کیے ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں۔ امام غزالیؒ نے ”کتاب الاقتصاد“ میں

(خصوصاً یہود کے لئے) ثابت کرنے کی کوشش کی کہ حضرت عیسیٰ السلام سچے نبی تھے ۔

امام غزالیؒ نے بھوک کی تعریف اور شکم سیری کی مذمت کے باب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ نقل کیا ہے :

” حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک روز بارگاہ خداوندی میں سرگوشیوں میں محو تھے ۔ وہ اس وقت روزہ سے تھے یکایک ان کے دل میں روٹی کا خیال آیا تو ادھر مناجات کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور ان کے سامنے روٹی موجود پڑی تھی ۔ جس پر آپ نے رونا شروع کر دیا ۔ یکایک ان کے سامنے ایک بزرگ رونما ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا : اے اللہ کے ولی آپ با برکت ہوں ، آپ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ میں جس خاص حالت میں مصروف تھا یکایک روٹی کے خیال سے وہ کیفیت جاتی رہی ۔“

شیخ نے جواب دیا : ” اے پروردگار اگر آپ یہ جانتے ہیں کہ میری معرفتِ خداوندی کے بعد مجھے روٹی کا خیال آیا تو مجھے معاف کرنا ، بلکہ جب بھی کوئی چیز میرے سامنے آئے تو میں اسے بلا سوچے سمجھے کھا لوں ۔“[۲۰]

زویمر نے اس مقالہ میں پچاس سے زائد ایسے اقوال جمع کئے ہیں جو امام غزالیؒ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالہ سے احیاء میں نقل کئے ہیں جس میں احیاء کی جلد ، صفحہ اور سطروں کا خصوصی اہتمام کیا ہے ۔

زویمر نے احیاء کے علاوہ امام کی دوسری کتابوں کا مطالعہ بھی کیا ۔ مثلاً ’کتاب اللآلی الثمینہ‘ میں امام غزالیؒ لکھتے ہیں :

” حضرت مسیح علیہ السلام کی سیرت سے سبق لیجئے جن کے بارہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بیس برس تک صرف ایک کپڑے کے مالک رہے ۔

وہ اپنے ہر سفر میں صرف ایک لوٹا ، ایک تسبیح اور کنگھا ساتھ رکھتے تھے - ایک دن انہوں نے ایک شخص کو نہر کے کنارے سے چلو سے پانی پیتے دیکھا تو اپنا لوٹا وہیں چھوڑ دیا اور اسے پھر استعمال نہ کیا - بعد میں دوسرے شخص کو اپنی انگلیوں سے کنگھا کرتے دیکھا تو اسی روز اپنا کنگھا بھی پھینک دیا - آپ اکثر یہ کہا کرتے تھے، روئے زمین میرا گھر ہے ، اس کی سبزیاں میری غذا ہیں اور اس کے دریا میرے پینے کا پانی ہیں ، اور میرا ٹھکانا اولاد آدم ہے - "[۲۱]

امام غزالیؒ نے عام قارئین کے برعکس سیرت مسیح علیہ السلام سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ کائنات میں زہد ، دنیا سے دور بھاگنے سے نہیں ملتا یا صرف گوشہ نشینی سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ مقام دوسروں کی خدمت سر انجام دینے سے حاصل ہوتا ہے[۲۲]-

زویمر نے اس مقالہ میں اناجیل سے ملتے جلتے اقتباسات کا اناجیل سے مقابلہ کیا تاکہ قارئین ان کی اصلیت کا خود فیصلہ کر سکیں - امام غزالیؒ نے زیادہ تر اقتباسات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پہاڑی کے وعظ سے لئے ہیں ، جو بحوالہ انجیل متی درج کئے گئے ہیں -

زویمر نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ان اقوال کو بھی جمع کیا جو اب اناجیل میں موجود نہیں لیکن ان کے خیال میں یہ محرف بھی نہیں البتہ اس امر کی غمازی کرتے ہیں کہ امام کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کیا مقام تھا ـــــــ ہمارے خیال میں امام غزالی جیسی شخصیت سے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ انہوں نے یہ اقوال خود گھڑ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کر دئے ہوں - بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بعد کے ادوار میں ان اقوال کو پادریوں نے اپنے مقاصد کے لئے حذف کر دیا ہو -

آخر میں زویمر نے امام غزالیؒ پر تنقید کرتے ہوئے لکھا :

'' امام غزالیؒ ذاتِ خداوندی کے بہت قریب تھے بلکہ وہ عقیدہ تجسد مسیح اور حلول کے بھی قریب تھے لیکن اسے کھلے الفاظ میں بیان نہ کر سکے ۔ البتہ ابنیّت مسیح کے سلسلہ میں انہوں نے تجاہل برتا ۔''[٢٣]

زویمر کے ان مفروضات و نتائج کا تجزیہ پیش کرنے سے قبل ہم (Padwick) کا تبصرہ پیش کرنا چاہتے ہیں جنہوں نے زویمر کے اس مقالہ کے مطالعہ کے بعد ایک مختصر سا مضمون[٢٤] لکھا جس میں اس امر پر زور دیا کہ سکالرز کو ان ماخذ کی نشاندہی کرنی چاہیے جنہیں امام غزالی نے اپنی کتابوں میں استعمال کیا ۔ انہیں یہ بھی معلوم کرنا چاہیے کہ یہ اقوال عیسائیوں کے کن حلقوں میں مقبول تھے اور اس کے بعد یہ کس طرح اسلامی حلقوں میں پہنچے ۔ پڈوک کے خیال میں امام غزالیؒ نے یہ حوالہ جات بلا واسطہ اناجیل سے نہیں لئے کیونکہ دونوں حوالہ جات میں کافی فرق نظر آتا ہے ۔

پڈوک کے اس تبصرہ سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ امام غزالیؒ کے اس رسالہ سے بھی واقف تھا جو انہوں نے الوہیت مسیح کے رد میں تحریر کیا تھا ۔ اسی طرح وہ امام الحرمین کے رسالہ 'شفاء الغلیل' کا مطالعہ بھی کر چکا تھا ۔ پڈوک نے ایک فرنچ مقالہ کا اقتباس 'الرد الجمیل' کے سلسلہ میں نقل کیا جو زویمر کے خیالات و افکار کی تائید کرتا ہے ۔

مقالہ نگار کے خیال میں امام غزالیؒ کا یہ طریق کار اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ انہوں نے کبھی عیسائیوں کو تحریف بائبل کے سلسلہ میں مورد الزام نہیں ٹھہرایا بلکہ ان کے خیال میں وہ عیسائیوں کی غلط تاویلات و تشریحات کا دفاع کرتے نظر آتے ہیں یعنی وہ تحریف لفظی کے برعکس تحریف معنوی کے قائل ہیں ——— امام غزالی کو اپنے استاد امام الحرمین یا ابن حزم کی طرح اس مسئلہ سے کوئی سروکار نہیں کہ موجودہ اناجیل میں اختلاف روایات کیوں ہیں ۔ البتہ انہوں نے اپنے مقاصد کے لئے اناجیل کے اصل متن (Text) کا بغور مطالعہ کر رکھا ہے ۔ تین مقامات پر انہوں نے تین متن استعمال کئے ۔ ایک دفعہ عبرانی ، دوسری بار آرامی اور تیسری

بار قبطی نسخوں سے حوالہ جات نقل کئے ہیں[۲۵] ۔

احیاء علوم الدین میں نقل کردہ روایات کا تنقیدی جائزہ : اس میں کوئی شک نہیں احیاء علوم الدین اسلامی تصوف کا انسائیکلوپیڈیا ہے ۔ علامہ شبلی نعمانی نے اس احیاء کی پانچ خصوصیات گنائی ہیں ۔

۱۔ حکمت و موعظت کو ساتھ ساتھ نبھایا ہے ۔ باوجود سھل پسندی ، عام فہمی اور دل آویزی کے فلسفہ و حکمت کے معیار سے کہیں اُترنے نہیں پایا ۔

۲۔ فلسفۂ اخلاق کے مسائل اس طرح ادا کئے کہ دقیق سے دقیق نکتے افسانہ اور لطائف بن گئے ۔

۳۔ ان کے اصول کے موافق اخلاق کی تعلیم اختلاف طبائع کے لحاظ سے ہونی چاہیے ۔

۴۔ شارع کے کون سے افعال رسالت سے تعلق رکھتے ہیں اور کون سے معاشرت اور عادت کی حیثیت سے ۔

۵۔ محاسن اخلاق کی جہاں تشریح کی ہے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ اخلاق کا پلہ رہبانیت ، افسردہ دلی اور پست ہمتی کی طرف جھکنے نہ پائے[۲۶] ۔

علامہ ابن تیمیہؒ جیسے ناقدین نے چار باتوں میں اس کتاب پر تنقید کی ہے ۔ اس میں چوتھی چیز یہ ہے کہ احیاء میں بہت سی ضعیف احادیث و آثار ہیں بلکہ موضوع روایات تک ہیں[۲۷] ۔ علامہ ابن جوزی کی بھی بڑی تنقید ضعیف اور موضوع روایتوں پر ہے ـــــ ان کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ بعض امراض قلب (ریا ، حب جاہ) وغیرہ کے علاج کے سلسلہ میں اور نفس کشی اور اس کی اصلاح کے لئے انہوں نے بعض ایسے واقعات نقل کر دئے ہیں جو قابل تقلید نہیں ہیں اور فقہی حیثیت سے ان کا جواز بھی ثابت ہونا مشکل ہے[۲۸] ۔

حالیہ ادوار میں مولانا مودودی نے امام غزالیؒ کے تجدیدی کارناموں کا جائزہ

لیتے ہوئے ان کے چند نقائص کی طرف بھی اشارہ کیا ہے :

”تیسری قسم اُن نقائص کی جو تصوف کی طرف زیادہ مائل ہونے کی وجہ سے تھے ۔“[۲۹]

ان ناقدانہ ریمارکس کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام غزالیؒ نے احیاء میں بائبل سے جس قدر حوالہ جات نقل کیے ہیں اس میں انہوں نے صحت روایات کا معیار پیش نظر نہیں رکھا اور ضعیف آثار و روایت کو اپنے مقاصد کے لئے نقل کر ڈالا ۔ اس کے باوجود یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ امام غزالیؒ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں زیادہ اہم مقام دیا ہے کیونکہ ان کی زیر تبصرہ کتاب ”الرد الجمیل“ ایک ایسی علمی دستاویز ہے جس نے اناجیل کے حوالہ جات سے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات میں الوہیت کا شائبہ تک نہ تھا ، وہ نہ تو خدا کے بیٹے تھے ۔ اس کے علاوہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس وقت زویمر نے اپنا مقالہ عربی و انگریزی زبان میں شائع کرایا ، اس وقت تک ”الرد الجمیل“ پردہ خفا میں تھی ۔ سب سے پہلے جب یہ کتاب دریافت ہو کر منصہ شہود پر آئی تو عیسائی مستشرقین کو ایک دھچکا محسوس ہوا کہ امام غزالیؒ نرم خو ہونے کے باوجود اسلام کے بنیادی عقائد کے سلسلہ میں کسی سودا بازی کے قائل نہ تھے ، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رسول سے زیادہ درجہ دینے کے قائل نہ تھے ۔

الرد الجمیل کا اجمالی تعارف :

امام غزالیؒ نے اپنی اس کتاب کے آغاز میں واضح انداز میں لکھا ہے کہ عیسائیوں کے نظریات و افکار کی بنیادیں انتہائی کمزور ہیں اور ایک صاحب عقل و بصیرت انسان ، ان عقائد کے مطالعہ کے بعد حیران رہ جاتا ہے کیونکہ انہوں نے صرف تقلید اور نقالی کو ہی دین سمجھ رکھا ہے اور وہ اپنے پیشرووں کے نظریات کو سختی سے اپنائے ہوئے ہیں ، جن سے وہ ذرا برابر ہٹنا گوارہ نہیں کرتے بلکہ اپنی

ناجیل میں وارد شدہ نصوص کی تاویل کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔

امام غزالیؒ نے ان لوگوں کو مشورہ دیا ہے کہ اگر عقل سے تہی دامن لوگ تعصب اور ذاتی خواہشات کو ایک طرف کر لیں تو انہیں معلوم ہو سکے گا کہ وہ راہِ حق سے کس قدر ہٹ چکے ہیں ۔۔۔۔ چونکہ ہمارا موضوع سخن ذات واجب الوجود ہے للہذا اس کے بارہ میں کوئی ایسا نظریہ پیش نہیں کیا جا سکتا جس سے اس ذات کی بشریت ہو جائے مثلاً اس ذات کا تعلق کسی انسان سے ثابت کر کے اسے بھی انسان بنا دیا جائے، تعلق کی بنیاد تو مناسبت پر ہوا کرتی ہے اور ذات باری تعالٰی ایسی تمام بشری خصوصیات سے ماوراء ہے۔ البتہ خالق کی نسبت مخلوق کی جانب صرف تدبیر کے حوالہ سے کی جا سکتی ہے[۳۰]۔

امام صاحب کے خیال میں معجزات اور خرق عادات کسی انسان کی الوہیت ثابت نہیں کیا کرتے کیونکہ عیسٰی علیہ السلام کے علاوہ بہت سے انبیاء کی طرف ایسے معجزات منسوب ہیں۔ بائبل میں یہ لکھا ہے کہ موسٰی علیہ السلام نے اپنے عصا (لاٹھی) کو سانپ بنا دیا تھا۔ ان کے خیال میں موسٰی علیہ السلام کا یہ معجزہ مُردوں کو زندہ کرنے سے بھی بڑا ہے کیونکہ جمادات میں حیوانیت پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے بہ نسبت اس کے جو پہلے زندہ تھا پھر مر گیا اور اسے دوبارہ زندہ کر دیا جائے۔ اسی طرح موسٰی علیہ السلام کا وہ معجزہ بھی قابل قدر ہے جہاں انہوں نے سمندر میں مختلف راستے بنا کر اپنی قوم کو دوسری سمت روانہ کر دیا۔ عہد نامہ قدیم میں حضرت عیسٰی علیہ السلام سے بہت پہلے ایلیاء یشع مُردوں کو زندہ کرچکے ہیں لیکن انہیں آج تک کسی نے خدا نہیں کہا[۳۱]۔

امام غزالیؒ کے نظریہ کے مطابق عیسائیوں نے اپنے عقائد کے سلسلہ میں فلسفیوں کے آراء و افکار کو پیش نظر رکھا مثلاً روح اور اس کے بدن کے ساتھ تعلق کے سلسلہ میں انہوں نے جالینوس وغیرہ کے نظریہ کو تسلیم کیا ہے۔ عیسائیوں کے خیال میں ان مفکرین نے خفیہ علوم سے استفادہ کر رکھا ہے جس کی گہرائی تک

عقل اپنی نارسائی کا اعتراف کرتی ہے ۔ لہٰذا ان مفکرین و دانشوروں کے نظریات و افکار غلطیوں سے پاک شمار ہوں گے ۔

امام غزالیؒ نے اس نکتہ نظر کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے کہا : کہ اس صورت میں ان لوگوں کو فلسفیوں کے ان تمام نظریات کو اپنانا ہوگا کیونکہ ان کے خیال میں نبوت وہبی ہونے کی بجائے کسبی عمل ہے اور یہ کائنات ازلی اور قدیم ہے اور خالق کائنات صرف وجود کا نام ہے جس کے پاس نہ تو علم ہے اور نہ ہی قدرت وغیرہ[۳۲] ۔

امام غزالیؒ نے واضح انداز میں لکھا ہے : کہ اناجیل میں ایسی نصوص (عبارات) موجود ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو محض انسان ثابت کرتی ہیں کہ وہ صرف ابن آدم تھے ۔ عیسائی پادری جن حوالہ جات سے ان کی الوہیت ثابت کرتے ہیں انہیں عقلی طور پر تسلیم کرنا ناممکن ہے ۔ چنانچہ اس سلسلہ میں امام غزالیؒ نے اناجیل سے چھ حوالہ جات نقل کر کے ان کی وضاحت اسلامی نکتہ نظر سے کی ہے ۔ آپ نے سب سے پہلے وہ تین حوالہ جات اناجیل سے نقل کئے ہیں جن سے عیسائی پادری الوہیت مسیح ثابت کرتے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے :

۱۔ انجیل یوحنا میں ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا کہ میں اور خدا (باپ) ایک ہی ہیں تو یہودیوں نے انہیں پتھر مارنے چاہے ۔ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں مخاطب کر کے کہا :

”کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا کہ میں نے کہا تم خدا ہو ۔ جبکہ اس نے انہیں خدا کہا جن کے پاس خدا کا کلام آیا ـــــ مگر ان کاموں کا تو یقین کرو تاکہ تم جانو اور سمجھو کہ باپ مجھ میں ہے اور میں باپ میں ۔“

یوحنا : ۱ : ۳۵ : ۳۷

امام غزالیؒ نے اس جملہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اس سے انہی کا

مقصد پورا ہو رہا ہے کیونکہ یہود نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی گفتگو سے یہ سمجھا کہ وہ اپنے آپ کو خدا کہہ رہے ہیں تو حضرت عیسٰی علیہ السلام نے ان کے خیال کے پیشِ نظر وضاحت کی کہ میری گفتگو سے مجازی معنی مراد لئے جائیں اور یہود کو ان کی کتاب کے حوالہ سے سمجھایا کہ بعض اوقات انہیں بھی خدا کہا گیا ہے (جب کہ وہ کسی صورت میں خدا نہ تھے)۔

" امام غزالیؒ نے اس کی مزید وضاحت کے لئے اس مشہور حدیث کو پیش کیا کہ بندہ جب اللہ تعالٰی کی بہت زیادہ عبادت کرتا ہے تو محبت خداوندی کی انتہا اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ ذات باری اس کے رگ و ریشہ میں رچ بس جاتی ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں لیا جا سکتا کہ ذات خداوندی (نعوذ باللہ) اس بندہ میں حلول کر گئی ہے اور اب وہ انسان نہیں رہا بلکہ خدا بن گیا ہے[۳۳]۔

۲- انجیل یوحنا ہی کے ایک اور جملہ سے مجازی مراد لئے جائیں گے۔

" اے قدوس باپ! اپنے اس نام کے وسیلہ سے جو تو نے مجھے بخشا ہے ان کی حفاظت کر تا کہ وہ ہماری طرح ایک ہوں۔"

یوحنا : ۷ : ۱۲

اس فقرہ کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنے شاگردوں کے لئے اللہ تعالٰی سے یہ دعا کی کہ وہ ان کا محافظ ہو جس طرح وہ اس کا خود محافظ ہے۔ اس حفاظت کے توسط سے وہ خدا کے قریب آ سکیں گے۔ آخر میں یہ کہا: " تا کہ وہ ہماری طرح ایک ہوں" جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ یکسانیت و وحدت اس طرح سے ہو جس طرح میرا تعلق خداوند تعالٰی کی ذات سے ہے۔ اگر اس وحدت سے الوہیت ثابت کی جائے تو اس سے یہ واضح ہوگا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اپنے شاگردوں کو بھی خدائی میں شریک کرنا چاہتے ہیں حالانکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا یہ مقصد بالکل نہ تھا۔

اور اگر اس کے برعکس اس فقرہ کے مجازی معنی مراد لئے جائیں تو اس کا مطلب واضح ہوگا کہ اللہ تعالٰی اپنے انعامات و اکرامات کی بارش ان کے شاگردوں

پر بھی کرے جس کے بعد وہ صرف وہی کچھ چاہیں جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں اور صرف اسی سے محبت کریں جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں ۔ ان کے اقوال و اعمال سے وہی کچھ ظاہر ہو جس سے ان کا خدا راضی ہو ـــــ اس جملہ کو مزید ایک اور مثال سے واضح کیا کہ اگر ہمارا کوئی مخلص دوست ہو جس چیز کو ہم پسند کریں وہ اسے پسند کرے اور جس سے ہم نفرت کریں وہ اس سے نفرت کرے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں اور میرا دوست یک جان دو قالب ہیں ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بعینہ یہی مقصد تھا کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ان کی وحدت و یکسانیت مجازی معنی میں ہے اور وہ خود حقیقی معنوں میں خدا نہ تھے ۔ پال کے اس خط سے اس امر کی تائید ہوتی ہے جو اس نے کرنتھیوں کے نام لکھا تھا :

''جو خداوند کی صحبت میں رہتا ہے وہ اس کے ساتھ ایک روح ہوتا ہے ۔''

کرنتھیوں : ۶ : ۱۷

اس وضاحت سے یہ معلوم ہوا کہ پال نے بھی وہی سمجھا ہے جو ہم نے ابھی بیان کیا ہے[۳۴] ۔

۳۔ یوحنا میں مذکور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا طویل مکالمہ یہ ہے :

'' انہیں سچائی کے وسیلہ سے مقدس کر ، تیرا کلام سچائی ہے جس طرح تو نے مجھے دنیا میں بھیجا اور ان کی خاطر میں اپنے آپ کو مقدس کرتا ہوں تاکہ وہ بھی سچائی کے وسیلہ سے مقدس کئے جائیں ۔ میں صرف ان ہی کے لئے درخواست نہیں کرتا بلکہ ان کے لئے بھی جو ان کے کلام کے وسیلہ سے مجھ پر ایمان لائیں گے تاکہ وہ سب ایک ہوں یعنی جس طرح اے باپ تو مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں وہ بھی ہم میں ہوں اور دنیا ایمان لائے کہ تو ہی نے مجھے بھیجا ہے اور وہ جلال جو تو نے مجھے دیا ہے میں نے انہیں دیا ہے تاکہ وہ ایک ہوں جیسے ہم ایک ہیں ۔''

یوحنا : ۱۷ : ۱۸-۲۳

اس اقتباس کی وضاحت کرتے ہوئے امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ یہ تمام گفتگو مجازی انداز میں بیان کی گئی ہے ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ کہنا چاہتے تھے کہ میں نے ان شاگردوں کو وہ جلال و عزت دیا جو تو نے مجھے دے رکھا ہے تاکہ وہ سب ایک کہلا سکیں جس سے ان کا مقصد صرف یہی تھا کہ ان کے شاگردوں کے اعمال و افعال خدا تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوں جس طرح کہ خود حضرت عیسیٰ خدا کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے ، لہٰذا جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کہا مانا اس نے ذاتِ خداوندی کی بات مانی اور جس نے ذاتِ خداوندی کا حکم مانا اس نے حضرت عیسیٰ کو تسلیم کیا ۔ چونکہ ان کے ارادہ و مشیت میں فرق نہیں تو انہیں بھی ایک ذات و ہستی کہہ سکتے ہیں ۔ اس سلسلہ میں مزید غلط فہمی کا ازالہ کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی رسالت و نبوت کا بھی ذکر کر دیا کہ دنیا ایمان لائے کہ تو ہی نے مجھے بھیجا ہے ۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدا تعالیٰ کے ساتھ وحدانیت ، الوہیت کو ثابت نہیں کرتی ، اس لیے اگر ان کے شاگرد خدا کے ساتھ وحدت کا رشتہ اُستوار کرتے ہیں تو وہ بھی خدا نہ ہوں گے ۔

مذکورہ تشریح کی وضاحت یوحنا کے ایک اور حوالہ سے بھی ہوتی ہے ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں :

> ”جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ مجھ پر نہیں میرے بھیجنے والے پر ایمان لاتا ہے اور جو مجھے دیکھتا ہے وہ میرے بھیجنے والے کو دیکھتا ہے ۔“
> یوحنا : ۱۲ : ۴۴ - ۴۵

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اطاعت عین اطاعتِ خداوندی ہے اور ان کا حکم ، حکم خداوندی ہے اور ان کا روکنا ، خدائی روکنا قرار پائے گا[۳۵] ۔

۴- انجیل مرقس میں ہے :

”لیکن اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا ، نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر باپ ۔“ مرقس : ۱۳ : ۲۲

امام غزالیؒ کے خیال میں اس جملہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محض جسمانیت واضح ہو رہی ہے اور اس علم کی نفی کی جا رہی ہے جو الوہیت کا خاصہ ہوا کرتی ہے - امام نے عیسائیوں کی اس تاویل کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ یہ کہتے ہیں کہ لفظ ملائکہ اور بیٹا ضمیر "گھڑی" پر معطوف ہیں - اس صورت میں اس فقرہ کے معنی یہ ہوں گے کہ قیامت کی گھڑی ، بیٹے کی حقیقت اور فرشتوں کی حقیقت سوائے باپ کے کوئی نہیں جانتا حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقصد صرف اتنا تھا کہ وہ خود اور فرشتے قیامت کے بارہ میں کچھ نہیں جانتے[۳۶] -

۵- انجیل یوحنا میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ الفاظ کہے تو اپنی آنکھیں آسمان کی طرف بلند کیں اور کہا :

"اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں -"

یوحنا - ۱۷ : ۳

اس جملہ میں واضح طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رسول کے نام سے یاد کیا گیا ہے - امام صاحب کے خیال میں اس فقرہ کے مجازی معنی مراد لینے سے پوری گفتگو بے معنی ہو کر رہ جائے گی - یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دو دو چیزوں کی وضاحت کی ، خدا تعالیٰ کے لئے وحدانیت اور الوہیت اور اپنے لئے رسالت -

پال نے بھی ایک خط میں قیامت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا تھا :

"بیٹا خود اس کے تابع ہو جائے گا جس نے سب چیزیں اس کے تابع کر دیں -"

کرنتھیوں ، ۱۵ - ۲۸

اس فقرہ میں پال یہ کہنا چاہتا ہے کہ بیٹا بھی خدا کے سامنے سر نگوں ہو جائے گا - ظاہر ہے کہ ایسی صفت خدا کی نہیں ہوا کرتی بلکہ ان بندوں کی ہوتی ہے جو خدا کی عظمت کے سامنے سر نگوں ہوتے ہیں ــــ افسیوں کے نام پال ایک خط

میں لکھتا ہے۔

"ہمارے خداوند یسوع مسیح کا خدا جو جلال کا باپ ہے تمہیں اپنی پہچان میں حکمت اور مکاشفہ کی روح بخشے۔"

افسیوں ، ۱ - ۱۸

اس جملہ میں پال نے واضح طور پر تسلیم کیا ہے کہ وہ یسوع مسیح کے خدا سے سوال کرے گا اور صرف باپ کو ہی جلال و بزرگی کی صفت سے موصوف کیا ہے اگر مسیح خدا ہوتے تو مسیح کو بھی اس میں شامل کر کے سوال کرتا ۔ اسی طرح انجیل متی میں خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو خدا سے علیحدہ دوسرے نام سے یاد کیا ہے۔

"مگر تم ربی نہ کہلاؤ کیونکہ تمہارا استاد ایک ہی ہے اور تم سب بھائی ہوں اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ رکھو ، تمہارا باپ ایک ہی ہے جو آسمانی ہے۔"
متی ، ۲۳ ، ۱۰ - ۱۱

ان الفاظ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کے خدا میں کوئی مماثلت نہیں ، انہوں نے اپنے آپ کو معلم اور ذاتِ الٰہی کو ابوت کی صفت سے موصوف کیا ۔ خدا کو آسمانی یعنی اس کے وجود کو بلندیوں میں تسلیم کیا ہے ۔

خلاصہ یہ ہے کہ انجیل یوحنا کے اس حوالہ میں واضح طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ تسلیم کیا ہے کہ انہیں کوئی اور بھیجنے والا ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ (مُرسِل) بھیجنے والا اور (مُرسَل) بھیجے گئے میں فرق ہوتا ہے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ابدی زندگی کے حصول کو اپنی رسالت تسلیم کرنے سے مشروط کیا ہے یعنی جب تک ان کی رسالت کو تسلیم نہیں کیا جاتا تو کوئی بھی ابدی زندگی کا مستحق قرار نہیں پائے گا[۳۷] ۔

۶۔ اس سلسلہ کی آخری کڑی میں امام غزالی نے ایک ہی انجیل یوحنا سے دو حوالہ جات نقل کئے ہیں ۔

(۱) ”اگر تم ابراہام کے فرزند ہوتے تو ابراہام کے سے کام کرتے لیکن اب تم مجھ جیسے شخص کے قتل کی کوشش میں ہو، جس نے تم کو وہی حق بات سنائی جو خدا سے سنی ۔“ یوحنا ، ۸ ، ۴۰ - ۴۱

(۲) ”کیونکہ میں نے کچھ اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ باپ جس نے مجھے بھیجا اس نے مجھے حکم دیا ہے کیا کہوں اور کیا بولوں اور میں جانتا ہوں کہ اس کا حکم ہمیشہ کی زندگی ہے بس جو کچھ میں کہتا ہوں جس طرح باپ نے مجھ سے فرمایا اسی طرح کہتا ہوں ۔“

یوحنا ، ۱۲ ، ۴۹ - ۵۰

مذکورہ بالا دونوں حوالہ جات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انسان ہونے کا اقرار ہے ۔ وہ خود کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ میں انسان ہوں اور سچائی کی وہ باتیں کرتا ہوں جو میں نے اللہ تعالیٰ سے سن رکھی ہیں ۔ اپنے رسول ہونے کے اعلان کے بعد انہوں نے کہا : کہ وہ وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے ۔ اس امر کی تائید پال کے اس خط سے ہوتی ہے جو اس نے عبرانیوں کے نام لکھا :

”اس رسول اور سردار کاہن یسوع پر غور کرو جس کا ہم اقرار کرتے ہیں جو اپنے مقرر کرنے والے کے حق میں دیانت دار تھا جس طرح موسیٰ علیہ السلام اس کے سارے گھر میں تھا ۔“ عبرانیوں ۳ : ۲

پال کے اس بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بڑے امانت دار رسول تھے۔ پال نے انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مساوی قرار دیتے ہوئے کہا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی اُمت کے امین تھے اسی طرح حضرت عیسیٰ بھی ہیں ـــــــ اگر اس جملہ سے عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت تسلیم کی جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی خدا ماننا پڑے گا حالانکہ عیسائی انہیں خدا نہیں مانتے ۔

ان تمام تصریحات کے بعد امام غزالیؒ عیسائیوں سے سوال کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اپنی انسانیت (humanity) اور رسول ہونے کے اقرار کرنے کے بعد معاندین کے پاس وہ کون سا عذر باقی رہ جاتا ہے کہ وہ اتحاد والے بیانات اور مکالموں کو اس کے ظاہر پر محمول کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا (Divine) ثابت کرتے ہیں ۔ جب کہ وہ خود بعض اوقات اپنی رسالت کا اظہار کرتے ہیں اور خدا کے سامنے گڑگڑاتے اور عاجزی کرتے دکھائی دیتے ہیں[۳۸] (ظاہر ہے کہ خدا کسی کے سامنے نہ تو گڑگڑاتا ہے اور نہ عاجزی کرتا ہے)

کتاب کے خاتمے پر امام غزالی نے انجیل یوحنا کے ابتدائی کلمات پر بحث کی ہے جس سے عیسائیوں کی اکثریت تجسیم مسیح ثابت کرتی ہے ۔

الرد الجمیل کا تنقیدی جائزہ پادری شدیاق کے افکار کی روشنی میں :

یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ امام غزالیؒ کی طرف منسوب کردہ اس رسالہ کا مطالعہ مسلمان سکالرز کے برعکس مستشرقین نے بڑے غور سے کیا ہے ۔ اس رسالہ کے فرانسیسی اور انگریزی تراجم کر کے اس کا تنقیدی جائزہ بھی پیش کیا ہے ۔ چنانچہ سب سے پہلے مشہور فرنچ مستشرق لوئی ماسینیون نے اس کے مخطوطہ پر تنقیدی مقالہ شائع کیا تھا بعد میں ان کے شاگرد پادری شدیاق نے اس رسالہ کا فرانسیسی ترجمہ مع تعارفی مقدمہ کے ۱۹۳۹ء میں شائع کئے ۔ صرف مقدمہ سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے جس میں بہت سے دلچسپ موضوعات و معلومات زیر بحث لائے گئے ہیں ۔

سب سے پہلے یہ امر زیر بحث آیا کہ کیا واقعی یہ کتاب امام غزالیؒ کی تصنیف ہے یا کسی دوسرے مسلمان سکالر کی لکھی ہوئی ہے ۔ اس سلسلہ میں یہ نقطہ قابل غور ہے کہ اکثر مسلم تذکرہ نگاروں نے اس رسالہ کو امام صاحب کی تصانیف میں شمار نہیں کیا ۔ اس کے برعکس ایک عیسائی متکلم (جس کا تعلق بارھویں صدی عیسوی سے ہے) ابن طیب نے اپنی ایک کتاب میں واضح طور پر لکھا کہ یہ رسالہ امام غزالی کی تصنیف ہے لیکن اس کے بعد جس قدر مسلم و عیسائی تذکرہ نگار آتے رہے انہوں نے اس رسالہ کو نظر انداز کیا اور اس سے کلی طور پر بے اعتنائی برتی ۔ ـــــ اس کی ایک

وجہ پادری شدیاق کے خیال میں یہ بھی ہو سکتی ہے امام غزالی نے اس رسالہ میں ایک خاص منطقی اسلوب اور سٹائل اپنایا اور مخصوص باریکیاں پیش نظر رکھیں جن کی وجہ سے یہ رسالہ امام غزالیؒ کی دوسری تمام تصانیف سے ممتاز نظر آتا ہے ۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علمی عقلی دلائل کے سامنے عیسائی علماء مبہوت ہو کر رہ گئے اور ان میں سے کوئی ایک بھی اس کا جواب نہ لکھ سکا ۔ لہٰذا انہوں نے خاموشی برتی اور اس کا تذکرہ ہی نہیں کیا حتیٰ کہ ابن طیب جیسے فاضل عیسائی نے اسے واضح انداز میں نہیں لکھا ـــــــــ شدیاق نے امام غزالیؒ کی دوسری جدلیاتی موضوع پر لکھی گئی تصانیف مثلاً تہافۃ الفلاسفۃ اور فضائح الباطنیہ کے مطالعہ کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ الرد الجمیل امام غزالی ہی کی تصنیف ہے کیونکہ ان کے اسلوب بیانات میں یکسانیت نظر آتی ہے البتہ ایک خامی کا تذکرہ شدیاق نے بارہا کیا کہ اس رسالہ کی عبارات اور دلائل میں کچھ ابہام نظر آتا ہے ۔ شدیاق نے اس رسالہ کو مشکل پہیلی سے تعبیر کیا ہے ۔

غزالیؒ کے اسلوب نگارش کے سلسلے میں ابن سبعین الغافقی ۶۶۸ھ کے ریمارکس قابل ذکر ہیں جس نے لکھا ہے امام کو یہ سٹائل اس لئے اپنانا پڑا کہ انہوں نے صرف ایک علمی میدان منتخب نہیں کیا تھا کبھی وہ صوفی نظر آتے کبھی فلسفی، بعض اوقات وہ اشاعرہ کی وکالت کرتے دکھائی دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ کبھی فقہاء کی طرف داری کرتے ہوئے ملتے ہیں اس لیے ان کا ہر اسلوب دوسرے سے جداگانہ نظر آتا ہے ۔ [۳۹]

ان حقائق کے پیش نظر شدیاق نے واضح طور پر لکھا ہے کہ واقعی یہ رسالہ امام غزالی کی تصنیف ہے ہو سکتا ہے کہ یہ ان کی ذاتی قلم کا کرشمہ نہ ہو بلکہ جلدی میں لکھی جانے والی تصنیف ہو جسے انہوں نے اسکندریہ کے قلیل المدت قیام کے دوران املا کروایا ۔ اس سلسلہ میں ان کے مآخذ و مراجع یا تو اناجیل تھیں یا اس موضوع پر لکھے جانے والے ایسے رسائل تھے جو امام صاحب سے بہت پہلے لکھے گئے تھے ۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کوئی شاگرد ان کی تقریر و لیکچر کو

ضبطِ تحریر میں لاتا رہا اور پھر اسے امام غزالی کو سنا دیتا جسے قدیم زمانہ میں امالی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

شدیاق نے اس ماحول کا تاریخی تجزیہ بھی پیش کیا جس میں رہ کر امام غزالیؒ نے اس رسالہ کو مرتب کیا ۔ چنانچہ ان کے خیال میں اس سلسلہ میں کوئی واضح دلیل تو نہیں دی جا سکتی البتہ اس رسالہ میں پیش کردہ کچھ نکات اس کی تائید کرتے ہیں ۔ مثلاً امام نے قبطی زبان کی عبارت کو عربی زبان میں لکھا ہے ۔ یہ انجیل یوحنا کی پہلی دو سطروں کا ترجمہ ہے چونکہ یہ بہت حد تک قابلِ اعتراض تھا اس لئے امام نے اسے اصل زبان میں نقل کیا ہے ۔

اس رسالہ کے مطالعہ کے بعد یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ امام کے پیشِ نظر فرقہ یعقوبیہ کا رد تھا کیونکہ اس رسالہ میں بحث کرتے وقت امام نے اکثر اسے اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے ۔ اس فرقہ نے حلول و تجسم مسیح (Incarnation) کے عقیدہ کو اس انداز سے پیش کیا ہے جو اسلامی نکتہ نظر سے حد درجہ قابل اعتراض ہے اس کے علاوہ امام غزالی نے قدیم طرزِ تنقید کو خیر باد کہا جس میں اکثر اوقات عیسائیوں کو موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے کہ ان کی مذہبی کتابیں تحریف شدہ ہیں ۔ کیونکہ اس پروپیگنڈے نے زیادہ گہرے اثرات نہیں چھوڑے اس لئے امام غزالیؒ نے دوسرا میدان منتخب کیا اور اپنے حریف کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر ان پر حملہ آور ہوئے اور ان کے ماخذ و مصادر سے اپنے نکتہ نظر کو ثابت کر دکھایا[۳]۔

شدیاق نے یہ الزام لگایا ہے کہ امام غزالیؒ نہ ہی قبطی زبان سے واقف تھے اور نہ ہی عبرانی جانتے تھے ـــــ امام غزالی کے اِس جدلیانہ اسلوب کی جھلک بعد میں آنے والے صرف ایک مسلمان مصنف کی کتاب میں ملتی ہے جن کا نام ابو البقاء صالح بن حسین الجعفری م ۶۱۸ھ ہے جنہوں نے اس موضوع پر ''تخجیل من حرف التورات والانجیل'' لکھی ۔ لیکن جعفری مذکور نے امام غزالی کی کتاب سے استفادہ نہیں کیا اور نہ ہی اس کا تذکرہ اپنی کتاب میں کیا ہے ۔ بعد میں ابوالفضل المالکی المسعودی نے اس کا انتخاب اس نام سے لکھا ''المنتخب الجلیل من تخجیل من حرف

الانجیل'' جو مطبعہ تمدن مصر سے ۱۳۲۲ء میں شائع ہو چکی ہے ۔

اس سلسلہ میں تیسری قابل ذکر چیز امام غزالیؒ کا عیسائیت کے بارہ میں مخصوص نکتہ نظر ہے ۔ شدیاق کے خیال میں اگر یہ رسالہ امام غزالیؒ کے اپنے رشحاتِ قلم کا نتیجہ نہیں ، پھر بھی یہ رسالہ چند خصوصیات کا حامل ہے جو قاری کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتا ہے ـــــ امام غزالیؒ نے اسلام کے اس بنیادی عقیدہ کو وضاحت سے لکھا ہے کہ مسیح علیہ السلام انبیاء کے سلسلہ کی ایک کڑی تھے اور ان میں نبوت کے علاوہ کوئی مافوق الفطرت برتری نہ تھی[۳۱] ۔ چونکہ عیسائی اپنے اس نکتہ نظر کو اناجیل کی روشنی میں پیش کرتے ہیں اس لئے امام غزالی نے بھی عیسائیوں کے نقطہ نظر کو ان کی مذہبی کتابوں کے حوالے سے رد کیا ہے ـــــ

امام غزالی کے ہاں الوہیت مسیح نہ تو وحی الٰہی سے ثابت کی جا سکتی ہے اور نہ ہی عقلی طور پر اسے تسلیم کیا جا سکتا ہے ۔ امام غزالی نے اسلامی عقیدۂ توحید کی پُر زور وکالت کر کے یہ ثابت کیا کہ ذات باری تعالیٰ تمام بشری خصوصیات سے پاک ہے ۔ وہ اختلاط و امتزاج جیسی مخلوقاتی صفات سے منزہ ہے ۔ امام غزالی کے نکتہ نظر مطابق خدائی تجسد (Incarnation) کسی طرح بھی ممکن نہیں اور نہ ہی عقل سلیم اس کی تائید کرتی ہے ۔ خود عیسائیوں میں کچھ ایسے مذہبی رہنما ہو گذرے ہیں جو اسلامی نکتہ توحید کے بہت قریب تھے مثلاً آریوس (Arius) فرفوریس (Porphyre) وغیرہ ۔ امام غزالی اناجیل کے ان تمام استشہادات کو مجازی معنی میں لیتے ہیں جن سے عیسائیوں نے الوہیت مسیح ثابت کی ۔ ان کے پیش نظر قرآن مجید کی وہ مشہور آیت تھی ۔ لیس کمثلہ شی ۔ کائنات میں خدا کی ہستی جیسا کوئی نہیں ہے وہ کسی مخصوص مکان میں نہ ہوتے ہوئے بھی ہر جگہ موجود ہے ـــــ شدیاق کے خیال میں عقیدہ اتحاد لاہوت و ناسوت خود عیسائی فرقوں میں مختلف فیہ مسئلہ ہے ۔ امام غزالی نے اس مسئلہ کو زیادہ گہرائی سے جاننے کی کوشش نہیں کی بلکہ عیسائی اختلافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صرف اس کی تردید کی ۔ امام

غزالی کے خیال میں یہ اتحاد جسمانی نہیں تھا بلکہ اسے معنوی انداز میں سمجھا جانا چاہیے -

مذکورہ تمام خوبیوں و خامیوں کے باوجود یہ رسالہ چھٹی صدی ہجری کے مسلم ذہن کی بخوبی عکاسی کرتا ہے - خصوصاً اس دور میں عیسائیت کے بارہ میں مسلم مفکرین کے انداز و طریقِ کار پر گہری روشنی ڈالتا ہے[۳۲] -

خلاصہ یہ کہ امام غزالی کے اس سٹائل کو پیشِ نظر رکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام صاحب نے اناجیل کی عبارات سے ہمیشہ اس کے ظاہری معنی مراد لئے ہیں جب تک کہ وہ عقل و دانش کے خلاف نہ ہوں اور اگر کوئی واقعہ یا بیان خلافِ عقل ہو تو اس کے مجازی معنی مراد ہوں گے - اس کے علاوہ امام نے اناجیل کی وہ عبارات جو آپس میں متضاد ہیں یا ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں ان کے مابین توافق پیدا کرنے کی کوشش کی اور اس کی عقلی تاویل بھی پیش کی -

الغرض امام غزالی کے ہاں عیسائی عقائد جانچنے کا معیار صرف عقل ہی ہے -----
آخر میں امام غزالی نے اس شبہ کا بھی ازالہ کر دیا جہاں بعض عیسائی پادری لفظ کلمہ سے عقیدہ تثلیث اور الوہیت مسیح ثابت کی ہے - امام غزالی کے خیال میں کلمہ کے معنی حکم خداوندی کے ہیں جس کی وضاحت لفظ کن سے ہوتی ہے - حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بالکل اسی طرح ہوئی جس طرح ان سے پہلے حضرت آدم کی تخلیق کلمہ کن سے ہوئی تھی -

پادری شدیاق کے اس فرانسیسی ترجمہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک یورپی مبصر نے یہ کہا :

> "امام غزالی اس امر سے بخوبی واقف تھے کہ الوہیت مسیح کا عقیدہ ہی درحقیقت عیسائیت میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے - اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ مسئلہ اسلام اور عیسائیت میں حد فاصل ہے - اس سلسلہ میں امام نے قرآنی آیات کا استعمال صرف تیرہ مرتبہ کیا ہے لیکن اپنے

دلائل عہد نامہ جدید کی روشنی میں مرتب کئے ہیں ۔ صرف انجیل یوحنا کو ۳۱ مرتبہ نقل کیا ہے جس سے ہمیں آپ کے مطالعہ بائبل کی وسعت کا احساس ہوتا ہے ۔ اناجیل کی ان تصریحات کے بارہ میں امام نے ایک دفعہ بھی ان کے مستند ہونے میں شک کا اظہار نہیں کیا البتہ عیسائیوں کو مورد الزام ٹھہرایا کہ وہ اناجیل کے بیانات کی تشریح صحیح انداز میں نہیں کرتے ۔''

امام غزالی نے ایک طرف عیسائیوں پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ کا صحیح مطلب نہیں سمجھ سکے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کے خیال میں اناجیل میں بہت سے ایسے حقائق موجود ہیں جو امام غزالی کے نکتہ نظر کی تائید کرتے ہیں ۔ انہوں نے انجیل یوحنا کے ابتدائی جملوں کی وضاحت کمال علم و فراست سے کی ہے ۔

آخر میں تبصرہ نگار نے اس رسالہ کی اہمیت واضح کرتے ہوئے لکھا کہ جس نے عیسائیت کے حوالہ سے اسلام پر کام کرنا ہو اس کے لئے اس رسالہ کا مطالعہ ناگزیر ہوگا ۔''[۴۳]

الردالجمیل کے سلسلہ میں مغربی اساتذہ کی علمی بد دیانتی :

برمنگھم یونیورسٹی (برطانیہ) کے شعبہ دینیات کے ایک مسلم پوسٹ گریجویٹ طالب علم سے الرد الجمیل پر ایم ۔ اے کی ڈگری کے لئے ایک مقالہ[۴۴] لکھوایا گیا ۔ اس مقالہ کے مطالعہ کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ عیسائی مستشرقین نے عمداً اسلامی توضیحات کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ علماء امت مسلمہ کی اکثریت اور خصوصاً امام غزالی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ عیسائیوں اوریہودیوں کے مذہبی لٹریچر میں کوئی تحریف نہیں ہوئی ۔ اسی طرح مختلف سکالرز کی کتابوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ (Son of God) کی اصطلاح قابلِ اعتراض نہیں جیسا کہ عہد نامہ قدیم میں اس کا استعمال ملتا ہے ۔

مقالہ کے آغاز میں تحریف کے سلسلہ میں لفظ تحریف کی لغوی وضاحت کی گئی۔ چونکہ تحریف کے معنی مختلف مترجمین نے مختلف انداز میں بیان کئے ہیں لہٰذا ان کے خیال میں ذرا سی لغزش ایک بڑی غلط فہمی کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔ مقالہ نگار کے خیال میں صحف ابراہیمی ، زبور ، تورات ، انجیل اور قرآن چونکہ منزل من اللہ ہیں لہٰذا یہ ہمیشہ تبدیلی سے محفوظ رہیں گے اور ان میں کوئی شخص تبدیلی نہیں کر سکتا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے یہ دلیل پیش کی کہ جس وقت اسلامی عقیدہ کے مطابق مسلمانوں سے یہ کہا جا رہا تھا کہ وہ سابقہ صحف سماوی پر ایمان لائیں تو وہ یقیناً محفوظ اور غیر مبدل ہوں گے۔ ورنہ قرآن مجید کبھی بھی ان پر ایمان لانے کے لئے نہ کہتا۔ یہ امر بھی واضح ہے کہ قرآن مجید اس وقت کے موجود صحائف کی طرف اشارہ کر رہا تھا بلکہ قرآنی آیات کی روشنی میں قرآن کریم اس وقت کی موجود کتابوں کی تصدیق کر رہا تھا (مصدقا لما بین یدیہ) اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ چونکہ ان صحائف اور کتابوں پر طویل عرصہ گذر چکا ہے لہٰذا وہ ضرور محرف ہو چکے ہوں گے۔ تو بعینہ یہی اعتراض قرآن مجید پر بھی کیا جا سکتا ہے جو کسی طرح بھی درست نہیں۔ قرآنی تصریحات کے مطابق اللہ تعالیٰ اس کا محافظ ہے البتہ جس تحریف کا ذکر قرآن مجید کر رہا ہے اسے ہم انفرادی کوشش کہہ سکتے ہیں اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تمام یہودیوں نے یہ کارنامہ سر انجام دیا۔ ابن عباسؓ نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول رفاعہ بن زید کی وجہ سے ہوا۔

قرآن مجید کی اس آیت " افتطمعون ان یومنوا لکم وقد کان فریق منھم یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ۔" بقرۃ ۷۵۔

سے اگر تحریف ثابت ہوتی ہے تو پھر کچھ لوگوں نے قرآن مجید میں بھی تحریف کی ہوگی جس طرح کہ اس آیت میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ جب پیغمبر علیہ السلام نے یہود کو آیاتِ ربانی سنائیں تو انہوں نے اس میں عمداً تحریف کرنے کی کوشش کی۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے۔

"من الذین ھادوا یحرفون الکلم عن مواضعہ و یقولون سمعنا و عصینا ۔" نساء ۔ ۴۶ ۔

جہاں تک لفظ انجیل کا تعلق ہے قرآن مجید ہمیشہ واحد کا صیغہ استعمال کرتا ہے "آیتناہ الانجیل" جب کہ اب چار انجیلیں موجود ہیں ۔ یہاں مقالہ نگار نے یہ کہہ کر جان چھڑائی ہے کہ انجیل کا لفظ جو بظاہر مفرد ہے جمع کے معنی میں بھی بھی استعمال ہو سکتا ہے اگر مفرد کا صیغہ بولا جائے تو اس کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ باقی اناجیل اس میں شامل نہیں ۔ ان چار کو ایک ہی انجیل سمجھا جائے گا ۔ (یہ جواب بالکل اسی طرح سے ہے جس طرح عیسائیوں کے خیال میں ایک اور تین میں فرق نہیں ۔ ایک کہہ کر تین مراد لئے جا سکتے ہیں اور تین کہہ کر ایک مراد ہوتا ہے) ۔

مقالہ نگار کے خیال میں قرآن مجید انجیل کی صداقت اور اس کے ایک ہونے کے بارہ میں مکمل طور پر خاموش ہے ۔ وہ نہ تو اسے مسترد کرتا ہے اور نہ ہی اس کی تحریف کی طرف کوئی اشارہ کرتا ہے ۔ اس صورت حال میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید نے ان اناجیل کو تسلیم کیا ہے اور ان کی تصدیق کی ہے ۔ اس کے خیال میں یہ اناجیل قدیم زمانہ سے اور آج بھی موجود ہیں ۔ اس کے پیروکاروں کی بڑی تعداد دنیا میں موجود تھی اور اب بھی ہے ۔ اگر یہ اناجیل جعلی ہوتیں تو خداوند کریم اپنے نیک بندوں کو غلط اور جعلی کتابوں کی پیروی نہ کرنے دیتا ۔ جب تک کہ وہ ان کی غلط بیانیوں کا اظہار نہ کر دے جیسا کہ اس نے مشرکین کی غلطیوں اور خامیوں کا برملا اظہار کیا ہے ---- بلکہ قرآن کریم تو یہ کہتا ہے کہ عیسائیوں کو ان کی کتابوں کی روشنی میں فیصلہ کرنے کا حق دو ۔

"لیحکم اہل الانجیل بما انزل اللہ فیہ" مائدہ ۔ ۴۷ ۔

قرآن کریم کا یہود و نصاریٰ کو اہلِ کتاب کہنا اس امر کی تصدیق ہے کہ وہ انہیں اور ان کی کتابوں کو تسلیم کرتا ہے ---- پیغمبر علیہ السلام کے حوالہ

سے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ اپنے دورِ نبوت میں پیغمبر علیہ السلام نے کبھی بھی یہود و نصاریٰ پر یہ الزام نہیں لگایا کہ انہوں نے تورات و انجیل میں تحریف کی ہے اور آج تک کسی محدث نے ایک ایسی حدیث روایت نہیں کی جس میں یہ کہا گیا ہو کہ یہود و نصاریٰ اس جرم کے مرتکب ہوئے۔ بلکہ پیغمبر علیہ السلام نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ وہ یہود کے فیصلے ان کی کتاب (تورات) کے مطابق کریں گے۔ دوسرے الفاظ میں پیغمبر علیہ السلام نے ان کتابوں کی صداقت کو تسلیم کیا اور اگر وہ انہیں نہ مانتے توکبھی بھی ان کے مطابق فیصلہ صادرکرنے کا حکم نہ دیتے۔ اسی طرح نجران کے عیسائی وفد سے گفتگو کرتے وقت خنزیر کھانے اور صلیب کی عبادت کا ذکر تو آیا لیکن اس میں انجیل کی تحریف کا ذکر نہیں۔ خلاصہ یہ کہ تحریف انجیل اور اس کی تبدیلی کوئی مسئلہ ہی نہیں رہی۔ البتہ مذہبی رسومات بحث و مباحثہ کا عنوان رہیں۔

مقالہ نگار میں خیال میں امام غزالی نے یہ کتاب اسکندریہ میں قیام کے دوران یعقوبیہ فرقہ کے ساتھ مناظرہ کے بعد لکھی گویا ان کے خیال میں یہ (One sided study) ہے۔ امام غزالی بقول ان کے باقی فرقوں کے عقائد سے ناواقف تھے۔

مقالہ نگار نے مقالہ کے آخر میں بطور خلاصہ یہ لکھا ہے کہ جس طرح قرآن کریم اور پیغمبر علیہ السلام کے ہاں اناجیل مستند ہیں۔ امام غزالی کا نکتہ نظر بھی یہی تھا۔ ان کے خیال میں امام کا طریق تنقید ہمیشہ مثبت رہا ہے جب کہ ان کے ہم عصر علامہ ابنِ حزم وغیرہ کا نکتہ نظر ہمیشہ منفی رہا ہے۔

امام غزالی کی تنقید پر تبصرہ کرتے ہوئے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ یوں لگتا ہے کہ امام غزالی عیسائی الہیات سے ناواقف ہیں اور اسے پوری طرح سمجھنے سے قاصر ہیں۔ چونکہ امام غزالی مسلمان ہونے کی وجہ سے جداگانہ مذہبی پس منظر سے وابستہ تھے اس لئے عیسائی اصطلاحات ان کے لئے اجنبی تھیں۔ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ الہیات کی زبان کبھی بھی واضح نہیں ہوا کرتی۔ ان کے خیال میں یہ

امر ذہن نشین کرنا چاہیے کہ امام غزالی کی تنقید کا تعلق قرون وسطٰی کی عیسائیت سے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ امام غزالی اسے پوری طرح سمجھ نہ پائے ہوں۔ اس کے علاوہ امام کی تنقید عیسائیوں کے تین مشہور فرقوں (ملکیہ، نسطوریہ، یعقوبیہ) کے حوالے سے ہے جو یقیناً پوری دنیائے عیسائیت کے نمائندہ نہیں۔

مقالہ نگار کی ان تمام تصریحات و نتائج سے ایک مسلم سکالر متفق نہیں ہوسکتا یہاں یہ امر قابلِ صد افسوس ہے کہ اس قسم کا اختلافی مقالہ ایک مسلم طالب علم سے محض ڈگری کے حصول کی لالچ میں املا کروایا گیا۔ مقالہ کے ہر نکتہ نظر کا تجزیہ طویل وقت کا طالب ہے۔ البتہ چند نکات کی وضاحت لازمی ہے:

۱۔ مقالہ نگار کا یہ کہنا کہ توریت وغیرہ میں تحریف نہیں ہوگی البتہ انفرادی واقعات ضرور ہوئے ہوں گے، یہ انکشاف اگرچہ کسی مشرقی سکالر کے حوالہ سے ہوتا تو یقیناً باعثِ حیرانی نہ ہوتا۔ لیکن یورپی ماحول میں تربیت یافتہ سکالر اگر ایسا کہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے حقائق سے عمداً چشم پوشی کی ہے۔ تاریخ مذاہب عالم کے طالب علم اور بائبل کے نقاد اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ توریت عالم وجود میں آنے کے بعد کم از کم تین مرتبہ اور زیادہ سے زیادہ سات مرتبہ صفحۂ ہستی سے مٹی اور بعد کے ادوار میں یہودی راہبوں نے اسے محض حافظہ کی مدد سے مرتب کیا۔ تحریف تو ایک معمولی سی چیز ہے جب پورا نسخہ ہی طویل عرصہ کے لئے گم ہو جاتے اور پچاس ساٹھ برس کے بعد علماء اسے محض حافظہ کی مدد سے ترتیب دیں تو اس میں حک و اضافہ کی کس قدر گنجائش ہوگی[۳۵]۔ مقالہ نگار نے اس اہم واقعہ کو عمداً نظر انداز کرکے مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔

۲۔ جہاں تک انجیل عیسٰی کا تعلق ہے یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنی کتاب کو لکھوایا نہیں تھا بعد کے ادوار میں لوگوں نے مختلف زبانوں میں ان کی سوانح عمریاں مرتب کیں

جن کو آج اناجیل کہا جاتا ہے ۔ باقی یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے لکھوایا کیوں نہیں تھا ۔ اس کے لئے ڈاکٹر حمید اللہ کے خطبات ملاحظہ ہوں[۳۶] ۔

۳۔ مقالہ نگار کا یہ کہنا کہ پیغمبر علیہ السلام نے موجودہ توریت و اناجیل کی تحریف کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ۔ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا وہ واقعہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ایک دن حضرت عمرؓ پیغمبر علیہ السلام کی موجودگی میں تورات کا ایک حصہ پڑھ رہے تھے ۔ یکایک آپؐ کے چہرہ انور پر ناگواری کے اثرات نمایاں ہوئے جس کے بعد حضرت عمرؓ نے وہ سلسلہ ختم کیا ۔ پیغمبر علیہ السلام کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے :

''میں تمہارے لئے ایک روشن شریعت لا چکا ہوں ۔ اگر آج میرے اس دور میں موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں سوائے میری پیروی کے اور کوئی چارہ کار نہ ہوتا ۔''

جہاں تک امام غزالیؒ کا تحریف بائبل کے بارہ میں خاموشی کا تعلق ہے اس کے جواب میں اتنا کہا جا سکتا ہے کہ امام غزالی نے تحریف بائبل کو اپنا موضوع بحث ہی نہیں بنایا جس کا مطلب صرف نہیں ہو سکتا کہ وہ تحریف بائبل کے قائل نہ تھے ۔ اس مقالہ کے آغاز میں ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ امام غزالی کے استاد امام الحرمین کا اس سلسلہ میں ایک مستقل رسالہ موجود ہے جو کہ اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن ایک طالب حق کو نشان منزل کا پتہ دیتا ہے ۔ اور یہ امر بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ امام غزالی اپنے استاد محترم سے اس سلسلہ میں کوئی اختلاف رائے رکھتے ہوں گے ۔ ورنہ وہ اپنی کسی کتاب میں اس کی وضاحت کر دیتے ۔

قارئین کی دلچسپی کے لئے اس رسالہ کے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں ۔

امام الحرمین نے واضح انداز میں لکھا ہے :

'' قرآن مجید کی آیات ہمیں بتلاتی ہیں کہ توریت و انجیل میں پیغمبر علیہ

السلام کا ذکر موجود تھا (جب کہ اب ایسا نہیں ہے) اس کے پیش نظر علماء اسلام کو یہ موقف اختیار کرنا پڑا کہ ان کتابوں میں تحریف ہو چکی ہے، اس کے علاوہ اناجیل اپنی داخلی تضادات کی وجہ سے مستند نہیں۔ ان میں کئی ایک تبدیلیاں ہو چکی ہیں[۳۷]۔

امام الحرمین اپنے اس استدلال کے سلسلہ میں مزید لکھتے ہیں:

"عیسائیوں کے خیال میں تورات کا متن اس بات پر شاہد ہے کہ مسیح علیہ السلام یہود کی طرف بطور رسول بھیجے جائیں گے چنانچہ آج تورات کے جو نسخے ان کے پاس موجود ہیں وہ ان کے اس دعویٰ کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس لئے عیسائی یہود پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے توریت کے نسخوں میں تبدیلیاں کر دی ہیں اور یہ سب کچھ انہوں نے محض عناد کی خاطر کیا ہے تا کہ انہیں یہ اعتراف نہ کرنا پڑے کہ مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس کے برعکس یہود کے خیال میں عیسائیوں نے توریت میں تبدیلیاں کر رکھی ہیں کیونکہ ان کے نظریہ کے مطابق مسیح موعود ساتویں دور کے آخر میں تشریف لائیں گے۔ لہٰذا دونوں گروپ اس امر پر متفق پائے گئے کہ توریت میں تحریف ہو چکی ہے اور ہر فرقہ دوسرے کو مورد الزام ٹھہراتا ہے[۳۸]۔"

اس کے علاوہ اس رسالہ کا بیشتر حصہ اناجیل کے داخلی تضادات کی نشاندہی کرتا ہے۔ مثلاً امام الحرمین نے اناجیل میں بیان کردہ حضرت مسیح علیہ السلام کا نسب نامہ متی اور لوقا کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد ان کے بعض ناموں میں اختلاف کی نشاندہی کی ہے:

"اگر یہ دونوں حواری سچے سمجھے جائیں تو اس صورت میں یوسف کے دو باپ اصلی ہو جائیں گے۔ کیونکہ متی نے یوسف نجار کے والد کا نام یعقوب بن متّان لکھا ہے جب کہ لوقا نے یوسف بن مطاث بن عاموص نقل کیا ہے۔ اسی طرح اس کے اجداد کے ناموں میں بھی

اختلاف ملتا ہے ۔ اگر دونوں حواری جھوٹے سمجھے جائیں تو پھر اناجیل یقیناً محرف ہیں ۔ پھر یہ تحریف یا تو عمداً تھی یا ان کی غفلت اور لاپرواہی کا نتیجہ تھی ، جس کے بعد ان کی نقل کردہ رپوٹ ناقابلِ اعتماد ہو جائے گی ۔ ایسے اشخاص کو جھوٹا کیونکر کہا جا سکتا ہے جن کے بارہ میں عیسائیوں کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ وہ معصوم تھے اور انہوں نے روح القدس کی مدد سے یہ کتابیں مرتب کیں[۴۹] ۔"

اسی طرح امام الحرمین نے پطرس کے انکار مسیح کے سلسلہ میں مرقس کی رپوٹنگ میں داخلی تضادات کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ اس صورت میں یہ دونوں بیانات جھوٹے اور من گھڑت سمجھے جائیں گے[۵۰] نیز ایک ہی واقعہ کو دو مختلف طریقوں سے بیان کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس داخلی تضاد کی نشاندہی کی :

" مرقس اور متی نے اپنی اناجیل میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو جب سولی دی جا رہی تھی تو ان کے ساتھ دو چوروں کو بھی سولی دی گئی ۔ ایک ان کے دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف تھا ۔ مرقس اور متی کی رپوٹنگ کے مطابق یہ دونوں چور مسیح علیہ السلام کا مذاق اڑا رہے تھے اور کہہ رہے تھے اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو اپنے آپ کو بچا لے ۔"

لیکن انجیل لوقا میں ہے :

" کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کو جمجمہ نامی جگہ پر چڑھائے جانے کے لئے لایا گیا تو ان کے ساتھ دو بدکار انسان بھی تھے ۔ ان میں سے ایک نے طعنہ دے کر کہا : کیا تو مسیح نہیں تو اپنے آپ کو اور ہم کو بچا ۔ مگر دوسرے نے اسے جھڑک کر جواب دیا : کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا حالانکہ اسی سزا میں گرفتار ہے ۔"

لوقا : ۲۳ : ۴۰

مذکورہ بالا بیانات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ لوقا کے بیان کے مطابق دونوں چوروں میں سے ایک مومن اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مہربان تھا اور دوسرا ان کا مذاق آڑا رہا تھا لیکن متی و مرقس کے بیان کے مطابق دونوں چور کافر تھے ۔ اب ایک ہی واقعہ تینوں اناجیل میں مختلف انداز میں بیان ہوا ہے ۔ یقیناً ایک درست اور دوسرا غلط ہوگا[۵] ۔

امام الحرمین نے آخر میں لکھا ہے: کہ میں نے یہ چند مثالیں بطور مشتے نمونہ از خروار نقل کر دی ہیں باقی آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ ان کتابوں کی اصل حقیقت کیا ہے ۔

حوالہ جات

۱۔ شبلی نعمانی : الغزالی ، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۶ء ، ص ۹۰ ۔

۲۔ سید ابوالحسن علی ندوی : تاریخ دعوت و عزیمت ، مجلس نشریات اسلام کراچی ، ۱۹۷۶ء ، ج ۱ ، ص ۲۴۸ - ۲۴۹ ۔

3. S. M. Zwemer, Jesus Christ in the Ihya of Al-Ghazali, Muslim World, April 1917, (PP 144—158).

۴۔ صموئیل زویمر، مقام المسیح المکین فی احیاء علوم الدین ، مصر ۱۹۱۷ ، صفحات ۴۶ ۔

5. S. M. Zwemer, James Rendle Harris on al-Ghazali, M.W., Vol. 32 (194-), P. 53.

6. Ibid; P. 56.

7. W. Montgomery Watt, 1. The Faith and Practice of al-Ghazali, Edinburgh 1967. 2. Muslim Intellectual, A study of al-Ghazali, 1963.

۸۔ چراغِ راہ (سوشلزم نمبر) ۱۹۶۷ء ، ج ۱ ، ص ۴۲۸ ۔

9. De Waard, Hendrik, The Spiritual Experience of Al-Ghazali, A Christian Response, A dissertation submitted to the Faculty of the School of Church Mission, (U.S.A.) D. Miss, 1981,P . 204.

۱۰- حاجی خلیفہ : کشف الظنون ، ج ۱ ، ص ۸۳۷ -

۱۱- روبیر شدیاق : مقدمہ الرد الجمیل ، قاہرہ ۱۹۷۳ء ص ۱۲۵ - ۱۲۶ -

۱۲- حوالہ سابق : ص ۱۲۰ -

۱۳- عبدالملک الجوینی : شفاء الغلیل فی بیان ما وقع فی التوراۃ والانجیل من التبدیل ، تحقیق Michel Allard دارالمشرق بیروت ۱۹۶۸ء -

۱۴- صموئیل زویمر : مقام المسیح المکین فی احیاء علوم الدین ، ص ۳ - ۴ -

۱۵- حوالہ سابق : ص ۴ -

۱۶- حوالہ سابق : ص ۵ -

۱۷- یہ خیال در حقیقت زویمر کے قلم سے نہیں بلکہ معرّب متری الدویری کے ہیں۔ اس لئے اصل انگریزی مقالہ میں موجود نہیں -

18. Apocrypha, those books of the old testament that are considered of doubtful authorship by the Jews and were excluded from the Bible at the time of Reformation

۱۹- صموئیل زویمر : مقام المسیح المکین ، ص ۶ - ۷ -

۲۰- امام غزالی : احیاء علوم الدین ، مصر ۱۹۳۹ء ، ج ۳ ، ص ۸۱ -

۲۱- صموئیل زویمر : مقام المسیح المکین ، ص ۱۸ -

۲۲- حوالہ سابق : ص ۸۱ -

۲۳- حوالہ سابق : ص ۴۱ - ۴۲ -

24. Contance E. Padwick, Al-Ghazali and the Arabic version of the Gospels, M. W. Vol. 29, (1939) PP. 30—140.

25. Ibid., P. 140.

۲۶- شبلی نعمانی : الغزالی ، ص ۱۰۹ - ۱۲۳ -

۲۷- سید ابوالحسن علی ندوی : تاریخ دعوت و عزیمت ، ج ۱ ، ص ۱۲۳ -

۲۸- ابن جوزی : المنتظم ، ج ۹ ، ص ۱۶۹ - ۱۷۰ -

۲۹- سید ابوالاعلی مودودی : تجدید و احیاء دین ، پٹھان کورٹ ، تاریخ ندارد ، ص ۴۵ -

۳۰- امام غزالی : الرد الجمیل ، ص ۱۳۹ -

۳۱- حوالہ سابق : ص ۲۳۹ -

۳۲- حوالہ سابق : ص ۲۴۱ -

۳۳- حوالہ سابق : ص ۲۴۳ - ۲۴۷ -

۳۴- حوالہ سابق : ص ۲۴۷ - ۲۴۹ -

۳۵- حوالہ سابق : ص ۲۴۹ - ۲۵۷ -

۳۶- حوالہ سابق : ص ۲۵۸ - ۲۵۹ -

۳۷- حوالہ سابق : ص ۲۵۹ - ۲۶۳ -

۳۸- حوالہ سابق : ص ۲۶۳ - ۲۶۶ -

۳۹- روبیر شدیاق : مقدمہ الرد الجمیل ، ص ۱۲۱ - ۱۲۸ -

۴۰- حوالہ سابق : ص ۱۳۲ - ۱۴۳

۴۱- اس سلسلہ میں دور حاضر کی دو مستقل کوششیں منظر عام پر آتی ہیں - Parrinder نے اپنی کتاب میں قرآن کریم کی آیات سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت (Divinity) ثابت کرنے کی کوشش کی -

G. Prrinder, Jesus in the Quran, London, 1979, PP. 187.

بعد میں ایک مسلمان مفکر عطاء الرحیم نے اسلامی نکتہ نظر کو انگریزی میں پیش کیا -

Muhammad Ata-al-Rahim, Jesus A Prophet oı Islam, MWH, London 1983, 245.

۴۲- روبیر شدیاق : مقدمہ الرد الجمیل : ص ۱۴۳ - ۱۵۰ -

43. H.L. Gattschalk, A treatise by al-Ghazali, International Review of Missions, Vol. 29, (ı940) PP. 408 – 4ı0.

44 Razali Bin Hj Nawawi, The Attitude of Muslims Towards Christian, A thesis submitted for the degree of M.A. Department of Theology, University of Birmingham, (1971—72)

۴۵- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو :

۱- سید نواب علی : تاریخ صحف سماوی ، مکتبہ افکار کراچی ۱۹۷۳ ، ص : ۲۰-۲۳-

۲- پرویز : مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں ، ادارہ طلوع اسلام لاہور ۱۹۷۷ء ، ص ۴ - ۱۵ -

۴۶- ڈاکٹر محمد حمید اللہ : خطبات بہاولپور ، اسلام آباد ۱۹۸۵ء ، ۷ - ۸-

۴۷- عبدالملک الجوینی : شفاء الغلیل فی بیان ما وقع فی التوراۃ و الانجیل من التبدیل ، بیروت ۱۹۶۸ء ، ص ۴۰ -

۴۸- حوالہ سابق : ص ۵۱ -

۴۹- حوالہ سابق : ص ۶۵ - ۶۷ -

۵۰- حوالہ سابق : ص ۶۹ -

۵۱- حوالہ سابق : ص ۷۵ - ۷۷ -

——:o:——